۳۹

سورۃ فاتحہ کی ایک آیت کے نکات

(فرمودہ ۲۱۔ فروری ۱۹۳۰ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

یوں تو سورۃ فاتحہ خطبہ جمعہ سے پہلے برکت اور دعا کے طور پر میں ہمیشہ ہی پڑھتا ہوں لیکن کبھی کبھی اس سے مراد یہ بھی ہوتی ہے کہ خطبہ کا مضمون اس سے تعلق رکھتا ہے اور آج اسی رنگ میں مَیں نے اس کی تلاوت کی ہے۔ آج میں اس کی آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ [1] کی طرف جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ دل تو چاہتا تھا کہ اس کے متعلق زیادہ تفصیل سے بیان کروں مگر جلسہ کے بعد مجھے کھانسی جو شروع ہوئی ہے کہ پھر آرام نہیں ہوا۔ ایک دن اگر رُک جاتی ہے تو دوسرے دن پھر شروع ہو جاتی ہے۔ خصوصاً روزہ کی حالت میں گلے میں خراش زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ رات کو آرام ہو جاتا ہے اور بعض اوقات گو میں سمجھتا ہوں کہ بالکل ہی آرام ہو گیا لیکن دن میں گلے میں شاید خشکی کے باعث پھر IRRITATION پیدا ہو جاتی ہے اس لئے میں تفصیل سے بیان نہیں کر سکتا مگر امید کرتا ہوں کہ میرے الفاظ میں جو کمی رہ جائے گی احباب کے ذہن اسے خود پورا کر لیں گے۔

ہم روزانہ دعا کرتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ اور ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ نہیں، روزانہ چالیس پچاس دفعہ یہ دعا کرتے ہیں اور اس دعا میں ہم کئی باتوں کا اقرار کرتے ہیں جو اپنی ذات میں نہایت اہم ہیں مگر تعجب ہے کہ اعمال میں ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پہلی چیز جس کا اقرار اس میں کرتے ہیں یہ ہے کہ

صراط مستقیم دنیا میں موجود ہے کیونکہ اگر موجود نہ ہوتو مانگ کس طرح سکتے ہیں۔ عقلمند انسان وہی چیز مانگتا ہے جس کا اسے یقین ہو کہ دنیا میں موجود ہے۔ جو چیز میسر ہی نہ آسکے کوئی ہوش وحواس رکھنے والا انسان اس کے لئے دعا نہیں کیا کرتا۔ تو یہ دعا کر کے ہم گویا اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ واقعی کوئی ایسی راہ موجود ہے جو انسان کو خدا تعالیٰ تک پہنچا سکتی ہے۔ یہ اقرار معمولی نہیں۔ اگر واقعی دل میں یہ خیال راسخ ہو کہ انسان خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے تو زندگی کا نقشہ ہی بالکل بدل جائے۔ جن باتوں کے متعلق انسان کو یقین ہو کہ اسے مل سکتی ہیں ان کے لئے وہ اور ہی رنگ میں جدوجہد کرتا ہے اور وہ باتیں ہر وقت اور تمام کاموں میں اس کے مدنظر رہتی ہیں اور کسی وقت بھی وہ ان کو نہیں بھولتا۔ پس اگر یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ مل سکتا ہے اور اس کے ملنے کے ذرائع کُھلے ہیں تو یہ بھی صاف ہے کہ دنیا کی اور کوئی چیز اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی۔ جسے خدامل جائے اسے بھلا اور کیا چاہئے۔ دنیا کے سارے عذاب اس کے لئے ہیچ ہیں۔ دنیا میں لوگ بادشاہوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جانیں تک دے دیتے ہیں حالانکہ ان کی خوشنودی کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اگر ایک انسان مارا جائے اور اس کے بعد بادشاہ واہ واہ کہہ بھی دے تو مرنے والے کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مگر باوجود اس کے بادشاہ سے جو تعلق اور محبت لوگوں میں پائی جاتی ہے اس کی وجہ سے لوگ جانیں دے دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں اگر زندگی میں ہمارا نام بادشاہ تک نہیں پہنچ سکا تو شاید موت کی خبر ہی اسے پہنچ جائے اور وہ خوش ہو جائے۔ اسی خیال کے ماتحت لڑائی میں جاتے ہیں اور گولی یا تلوار سے مرجاتے ہیں آگے ان کا معاملہ خدا سے ہوتا ہے خواہ جہنم میں ڈالے یا جنت میں۔ مگر محض اس لئے کہ ان کا نام بادشاہ تک پہنچ جائے وہ جان دے دیتے ہیں یا پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر بچ رہے تو شاید اس جان نثاری کے عوض میں کبھی بادشاہ تک پہنچ جائیں اور اس امید موہوم کی وجہ سے ہی وہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتے ہیں۔ بسا اوقات ایسے لوگ مرجاتے ہیں لیکن ایک سپاہی خواہ وہ کتنے ہی اخلاص سے کیوں نہ جان دے بادشاہ سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا کیونکہ بادشاہ کی طاقت میں یہ بات نہیں کہ اگلے جہان میں جا کر اسے مل سکے اور کچھ دے سکے۔

چونکہ اس آیت سے قبل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اس لئے صاف معلوم ہوتا کہ صراط مستقیم میں خدا تعالیٰ کا راستہ ہی مانگا جارہا ہے۔ اگر اوپر مکہ مدینہ کا ذکر ہوتا تو یہ راستہ بھی مکہ مدینہ کا ہی سمجھا

جاتا یا اگر لندن یا پیرس یا کسی اور ملک کا ذکر ہوتا تو راستہ بھی وہیں کا ہوتا اور اگر تجارت یا زراعت کا ذکر ہوتا تو ہم کہتے راستہ سے مراد اُسی کا راستہ ہے لیکن چونکہ اوپر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اس لئے لازماً راستہ سے مراد بھی اسی کا راستہ ہے کیونکہ سب سے مقدم یہاں وہی چیز ہے جس کا ذکر پہلے آیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس جب ہم یہ دعا مانگتے ہیں تو گویا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ موجود ہے۔ اب سوچو کہ اس شخص کے مقابلہ میں جو بادشاہ تک پہنچنے کی موہوم اُمید میں اپنی جان کھو دیتا ہے ہماری کوششیں کتنی بڑی ہونی چاہئیں۔ اگر واقعی دل میں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ مل سکتا ہے تو دیکھو تمہارے دل میں اس سے ملنے کے لئے کتنی تڑپ ہے۔ جو شخص منہ سے تو یہ اقرار کرتا ہے لیکن اس کے لئے کوشش نہیں کرتا اور ہمیشہ یہی دعا کرتا رہتا ہے کہ میرے ہاں بچہ ہو جائے دادا اور ورثہ کے مقدمہ میں مجھے فتح ہو‘ تجارت چل نکلے بارش پڑے تا کھیتی ہو جائے‘ میرا دشمن زیر ہو جائے اور خدا تعالیٰ سے ملنے کے لئے کوئی خواہش اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتی تو صاف پتہ لگ گیا کہ یہ اقرار صرف منہ کا اقرار ہے کیونکہ جن کو یقین ہوتا ہے وہ کوشش بھی ضرور کرتے ہیں اور اسے بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ایک ضرب المثل ہے ''نو نقد نہ تیرہ اُدھار'' یعنی اُدھار کا چونکہ یقین نہیں ہوتا اس لئے خواہ وہ زیادہ ہی ہو اسے چھوڑ کر تھوڑے نقد کو لینا بہتر ہے۔ پس جس شخص کے دل میں خدا تعالیٰ کی ملاقات کا یقین نہ ہو وہ باوجود خیال ہونے کے دنیا کو مقدم کر دے گا کیونکہ یہ اسے نظر آتی ہے۔ جیسے پنجابی میں کہتے ہیں۔ ''ایہہ جہان مِٹھا۔ اگلا کن ڈِٹھا''۔ یعنی یہ جہان اور اس کی لذات تو نظر آتی ہیں لیکن اگلے جہان پر شُبہ ہے اور شُبہ پر یقین کو کوئی قربان نہیں کیا کرتا۔ لیکن جو شخص منہ سے کہتا ہے اِھْدِنَا وہ اقرار کرتا ہے کہ مجھے خدا تعالیٰ پر پورا یقین ہے اور جسے یہ یقین ہو وہ دنیا کی کسی چیز کو اس پر قربان نہیں کرے گا۔ اسے خواہ آگ میں ڈال دیا جائے خواہ بھوکا اور پیاسا رکھا جائے اس کے جسم کو خواہ کتنی بھی تکلیف پہنچائی جائے لیکن اس کی روح لذت سے بھری ہوئی ہو گی کہ میں خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کر رہا ہوں۔ اور اگر کسی وقت وہ اس تکلیف کو بوجھل محسوس کرے تو وہ وہی وقت ہو سکتا ہے جب اسے خدا سے ملنے کا شک پیدا ہو گیا ہو گا کیونکہ اگر یقین ہو گا تو وہ کسی تکلیف کی بھی پرواہ نہیں کرے گا اور یہی کہے گا کیا ہوا اگر مجھے تکالیف پہنچتی ہیں جبکہ میں خدا سے ملنے والا ہوں۔

غرض جب انسان کے دل میں یقین ہو تو اس کا نقطہ نگاہ بالکل بدل جاتا ہے۔ اُس وقت

خواہ کتنے مصائب آئیں کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور انسان خوشی محسوس کرتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ انسان دعا کرے کہ اس پر تکالیف آئیں بلکہ یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ تکالیف برداشت کر کے ہی ملتا ہے تو پھر ہمیں راحت سے ان تکالیف کو برداشت کرنا چاہئے۔ یہ تو ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ زندہ رہے اور بادشاہ تک پہنچے لیکن اگر مرنا ہی پڑے تو مر جاتا ہے۔ طالب علموں کو ہائی سکول میں ایک ریڈر پڑھائی جاتی ہے جس میں ایک نظم ہے اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ بادشاہ کی خوشنودی کے لئے لوگ کس طرح تکالیف اُٹھاتے ہیں۔ فرانسیسی فوج ایک قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے کوشش کر رہی تھی اور نپولین کھڑا دیکھ رہا تھا اور سوچتا تھا کہ اگر ہمیں فتح نہ ہوئی تو کس قدر عظیم الشان نقصان ہوگا۔ اتنے میں ایک سپاہی دوڑتا ہوا آیا اور اسے بشارت دی کہ قلعہ فتح ہوگیا لیکن اس نے خیال نہ کیا اور اور سوالات پوچھتا رہا اتنے میں اس نے دیکھا کہ سپاہی کے پہلو سے گولی نکل گئی ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا دیکھو تمہارے گولی لگی ہے اور خون بہہ رہا ہے۔ سپاہی اس جوش میں تھا کہ بادشاہ تک یہ خبر پہنچا دوں اور محض اس نگاہ کے لئے کہ بادشاہ اس گولی کو دیکھ لے جو اس نے اس کے لئے کھائی ہے زخمی ہونے کی حالت میں دوڑا ہوا گیا تھا ورنہ ایسی حالت میں تو اُٹھا بھی نہ جاتا۔ تو انسان اپنی محبوب ہستی کی خوشنودی کے لئے ہر تکلیف کو بخوشی برداشت کر لیتا ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا ہمیں یقین ہے تو ہر اس تکلیف کو جو اس کے راستہ میں پہنچے بخوشی برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ دوسری چیز جس کا اقرار اس آیت میں ہے یہ ہے کہ اس راستہ پر چلنا بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم کہتے اے خدا تیرا بڑا احسان ہے کہ تُو نے ہمیں راستہ بتا دیا اب ہم اس پر چلتے ہیں مگر نہیں ہم یہ نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ تُو نے راستہ دکھا دیا اب اس پر ہمیں لے بھی چل۔ گویا وہی مثل ہوئی کہ ’’لا ددے لدوا دے اور لادنے والا ساتھ دے‘‘۔ یعنی چیز بھی دے اور اسے جانور پر بھی رکھ دے اور ساتھ آدمی بھی دے تا اگر رستہ میں ضرورت پیش آئے تو وہ لاد سکے۔ تو اِھْدِنَا میں ہم یہ مانتے ہیں کہ راستہ کا دکھانا اور اس پر چلانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے پہلی بات یعنی راستہ دکھانا انبیاء کا کام اور اس طرح ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ ماننے کے بعد ہمارے دل میں خواہش پیدا ہونی چاہئے کہ ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف سے بشارت مل جائے اور اس کا ہم سے ایسا معاملہ ہو کہ اس کے کلام کے ذریعہ سے ہمیں یقین واثق ہو جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الہام کے لئے اصرار کرنا ناپسند فرمایا ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ الہام اپنی ذات میں ناپسندیدہ چیز ہے۔ شریعت نے استخارہ کا حکم دیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اے خدا! تُو اس کام میں ہماری راہنمائی کر خواہ اور تعبیری الہام سے ہو خواہ وحی خفی سے ہو اور خواہ کشفی نظارہ ہو تُو ہماری راہنمائی کر۔ پس معلوم ہوا کہ صرف نبوت یا مأموریت کی خواہش ناجائز ہے لیکن یہ خواہش کہ خدا تعالیٰ براہِ راست راہنمائی کرے یہ ناجائز نہیں۔ گویا اگر الہام کے لئے کوئی قید نہ لگائی جائے تو یہ جائز ہے۔

پس جب ہم یہ دعا کرتے ہیں تو سوچنا چاہئے کتنے ہیں جن کے اندر یہ تڑپ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست اور کسی انسانی واسطہ کے بغیر ہمیں ہدایت حاصل ہو۔ جب اپنے اندر اس بات کی خواہش نہ ہو تو خدا تعالیٰ کیوں یہ نعمت دے گا۔ وہ بادشاہ ہے اور صرف خواہش کرنے کے بعد ہی متوجہ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلق کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ انبیاء اور ان کے قائم مقاموں سے بھی اسی وقت فیض حاصل ہوسکتا ہے جب ان سے براہ راست ذاتی تعلق پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تاکید فرمایا کرتے تھے کہ بار بار ملتے رہنا چاہئے اور میں بھی یہ نصیحت کرتا رہتا ہوں۔ اگرچہ دل ڈرتا بھی ہے کیونکہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اتنی بڑی ہوگئی ہے کہ ہر ایک سے ذاتی طور پر واقفیت رکھنا آسان نہیں۔ مگر یہ صحیح ہے کہ جب تک تعلق نہ ہو اور تعلق بھی متعلّم ہونے کا ہو یہ نہیں کہ آئے بیٹھے اور باتیں کیں اور سب کچھ وہیں جھاڑ کر چلے گئے۔ چکنے گھڑے کی طرح نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہ نیت ہو کہ شاگرد کی طرح کچھ حاصل کرنا اور پھر اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ فائدہ عمل کرنے سے ہی ہوسکتا ہے۔ ساری باتوں پر عمل کرنا تو مشکل ہے لیکن کم از کم نیت یہ ضرور ہونی چاہئے کہ فائدہ اٹھانا ہے۔ تو براہ راست تعلق کے بغیر فیضانِ حقیقی حاصل نہیں ہوسکتا اور اگر یہ تڑپ موجود نہیں تو بتاؤ اس دعا کا فائدہ کیا ہوا۔

دوسری چیز جو اس میں بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ عمل کی طاقت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی حاصل ہوتی ہے کیونکہ اِھْدِنَا کے معنے دکھانا بھی ہیں اور چلانا بھی۔ گویا ہر عمل کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے گی۔ اس میں تأنّی ضروری ہوگی اور جوش میں کام نہیں کیا جائے گا۔ اور دنیا میں بہت سی خرابیاں اندھا دھند کام کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر انسان کام سے پہلے سوچ

لے اور کوشش کرے کہ اللہ تعالیٰ خود پکڑ کر اسے لے چلے تو وہ ضرور آہستگی سے چلے گا۔ رسول کریم ﷺ قدم قدم پر وحی الٰہی کا انتظار کیا کرتے تھے اور گو مؤمن سے بھی یہی امید کی جاتی ہے کہ ہر بات میں خدا تعالیٰ سے ہدایت اور نور حاصل کرے لیکن یہ نہیں تو کم از کم اتنا تو غور کرے کہ یہ کام جو میں کرنے لگا ہوں منشائے الٰہی اور احکامِ رسالت کے مطابق ہے یا نہیں۔ اور جب انسان غور کرنے کا عادی ہو جائے تو میں تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ اس طرح وہ پیش آنے والے نصف سے زیادہ فتنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ لیکن جو لوگ سوچتے نہیں اور غور نہیں کرتے بلکہ جو جی میں آئے کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ان کی اس دعا کا کہ اِھْدِنَا اے خدا! ہمیں خود چلا' کچھ مقصد نہیں ہو سکتا۔

تیسری چیز جو اس آیت سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اِھْدِ کے معنی چلائے چل کے بھی ہوتے ہیں۔ جس کا یہ مطلب ہوا کہ اسے پڑھنے والا اقرار کرتا ہے کہ باوجود خدا تعالیٰ کے چلانے کے پھر بھی راستہ میں کئی روکیں ہو سکتی ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ خدا خود چلاتا جائے ورنہ شیطان اس کے راستہ میں آکر روک پیدا کر دیتا ہے کیونکہ اُس وقت خدا بندے میں سے ہو کر آرہا ہوتا ہے اور شیطان خدا تعالیٰ سے اُس وقت بھاگتا ہے جب وہ اپنے جلال میں ظاہر ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اگر شکاری شکار کے سامنے ظاہر ہو جائے تو شکار بھاگ جائے گا لیکن اگر وہ کسی بیل یا کسی اور چیز کی اوٹ میں چلے تو شکار نہیں بھاگتا۔ اسی طرح جب خدا بندے میں سے ہو کر اسے چلا رہا ہوتا ہے اُس وقت شیطان راستہ میں کھڑا ہو سکتا ہے لیکن جب خدا تعالیٰ اپنے جلال میں نمایاں ہو کر ظاہر ہوتا ہے اُس وقت نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لحاظ سے ضروری ہے جو انسان کوئی نیک کام کرے وہ تھوڑے عرصہ کے بعد یہ بھی سوچ لے کہ اس میں کوئی غلطی تو پیدا نہیں ہوگئی۔ میں نے بہتر سے بہتر سکیم جاری کر کے دیکھا ہے اگر دو تین سال تک اس پر غور نہ کیا جائے اس کی نگرانی نہ کی جائے تو کئی نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے بعض ہدایات پر عمل نہیں ہو رہا ہوتا بعض ہدایات وقتی ہوتی ہیں ان کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لئے ان کا چھوڑ دینا ضروری ہوتا ہے۔ بعض نقائص جو پہلے ذہن میں نہ تھے بعد میں پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر بار بار نگرانی نہ کی جائے تو نیک کاموں میں بھی کئی نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس یہ دعا کرنی چاہئے کہ خدایا! نگرانی بھی کیجیئو کہ ہم ٹھیک چلتے ہیں یا نہیں۔ اب

آپ لوگ سوچیں کبھی اللہ تعالیٰ سے نگرانی کے لئے عرض بھی کی ہے۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں ہم نیک کام کر رہے ہیں ہمیں کسی کی کیا پرواہ ہے لیکن یہ بات غلط ہے۔ پرواہ ہونی چاہئے ہر انسان کو دوسرے کی پرواہ ہوتی ہے۔ گو یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی کی احتیاج اپنے فائدہ کے لئے اور کسی کی دوسروں کے فائدہ کے لئے ہوتی ہے مگر احتیاج ہوتی سب کو ہے۔ انبیاء کو شریعت نافذ کرنے کے لئے اَتباع کی احتیاج ہوتی ہے غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا سب محتاج ہیں۔

پس اِھْدِ کہنے والے کو یہ تین باتیں ماننی پڑتی ہیں۔ اس سے آگے جب وہ اِھْدِنَا کہتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ نہ صرف مجھے یہ باتیں عطا کر بلکہ میرے ساتھیوں کو بھی دے۔ لیکن اگر ہم اس ہدایت کو جو پہلے ہی ہمارے پاس ہے اور جو خدا تعالیٰ نے ہمیں دے رکھی ہے اپنے شہر والوں، محلہ والوں، دوستوں اور رشتہ داروں کو نہیں پہنچاتے اور انہیں اس سے مستفیض نہیں کرتے تو پھر کس منہ سے خدا تعالیٰ سے ان کے لئے اور ہدایت طلب کر سکتے ہیں۔ ایک شخص کے بیوی بچے بھوکے مر رہے ہوں اور وہ بادشاہ یا کسی امیر سے ان کے کھانے کے لئے سوال کرے اور جو کچھ وہ دے اسے لے جا کر طاق میں رکھ چھوڑے اور بچوں کو نہ دے تو اگلے دن اور کیلئے وہ کس طرح سوال کر سکتا ہے اور دینے والا کیوں اسے کچھ دے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت ہمیں دی ہے اگر وہ دوسروں کو ہم نے پہنچا دی ہے تو ہمارا حق ہے کہ اور بھی مانگیں لیکن اگر پہلی ہی نہیں پہنچا سکے تو ہماری یہ دعا کبھی قبول نہیں ہو سکتی۔

آپؐ لوگ سوچیں آپ میں سے کتنے ہیں جو اس ہدایت کو دوسروں تک پہنچا رہے ہیں۔ کم از کم نصف ایسے ہوں گے جن کو دوسروں کی فکر نہیں اور پھر کئی تو ایسے بھی ہیں جنہیں اپنی بھی فکر نہیں۔ اگر سالہا سال گذر جاتے ہیں اور ان کے ذریعہ ایک شخص بھی احمدی نہیں ہوتا تو پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ مزید ہدایت دوسروں کے لئے طلب کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ اگر ہم پیچھے پڑ جائیں تو کامیابی نہ ہو۔ جس چیز کو لے کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکیلے کامیاب ہو گئے اور ایسے وقت میں کامیاب ہوئے جب تمام دنیا جان کی دشمن ہو رہی تھی اور کوئی جماعت بھی ایسی نہ تھی جس کا دوسروں پر کچھ اثر ہو سکے تو آج اگر کوشش کی جائے تو کیوں کامیابی نہ ہو۔ پس یہ ناممکن ہے کہ ہم ہدایت کے لئے اٹھیں اور کامیاب نہ ہوں۔ ممکن ہے بعض لوگ کہہ دیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بعض انبیاء ایسے گزرے ہیں جن پر صرف ایک ہی ایمان

لانے والا تھا لیکن انہیں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ ممکن ہے کہ وہ انبیاء ایک ہی خاندان کی طرف مبعوث کئے گئے ہوں۔ اس خاندان کے دس افراد ہوں جن میں سے ایک ایمان لے آیا ہو۔ یا وہ کسی خاص گاؤں کی طرف ہوں جس کی آبادی صرف ہزار افراد کی ہو اور ان میں سے دس ماننے والے ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ جن انبیاء کو ایک شخص نے مانا وہ کروڑوں کی طرف مبعوث ہوئے ہوں۔ وہ ایک خاندان کی طرف مبعوث ہوئے ہوں گے اور اگر اس میں سے ایک نے بھی مان لیا تو انہوں نے دین قائم کر دیا۔ مؤمن بھی انبیاء کے اَتباع ہوتے ہیں اس لئے انہیں بھی چاہئے پوری کوشش سے دین کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔

ہدایت جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا منشاء ہوتا ہے کہ وہ پھیلے اس لئے اس پھیلانے والوں کی تائید کے لئے فرشتے کھڑے ہوتے ہیں۔ تبلیغی کام کو ترقی دینے کیلئے میں نے اس سال اشتہارات کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ پہلے میری خواہش تھی کہ وہ پچاس ہزار شائع ہوں بعد میں میرا خیال صرف تیس ہزار کا ہی تھا پھر بھی دوستوں نے ساٹھ ہزار منگوائے ہیں۔ لیکن جہاں میرے اندازہ سے دُگنی تعداد میں انہوں نے اشتہار خرید کئے ہیں وہاں یہ ابھی تک نہیں بتایا کہ ان ہدایات پر جو اس کے متعلق دی گئی تھیں کہاں تک عمل کیا ہے اور نہ ابھی تک یہ بتایا ہے کہ ان کو ترتیب سے تقسیم بھی کیا گیا ہے یا نہیں اور نہ ہی اگلے اشتہار کے متعلق مشتہرہ شرائط کو پورا کیا ہے اس لئے اگلے اشتہار کی اشاعت میں تاخیر ہو رہی ہے۔

بعض لوگوں نے جنوری میں تبلیغ کے لئے بہت کوشش کی اور اس مہینہ بیعت کرنے والوں کی تعداد کافی تھی لیکن فروری میں پھر تعداد کم ہوگئی ممکن ہے یہ رمضان کی وجہ سے ہو۔ لیکن احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ رمضان کے مہینہ میں بہت صدقہ دیا کرتے تھے اور آپ کی مثال تیز آندھی کی طرح ہوتی تھی[2] اور دین کی تبلیغ سے بہتر صدقہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ یوں بھی مشہور ہے کہ بھوکا شیر زیادہ لڑا کرتا ہے اس لحاظ سے بھی رمضان میں تبلیغ زیادہ ہونی چاہئے تھی مگر افسوس ہے دوستوں نے کم توجہ کی۔ یا پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہوں نے روزے نہیں رکھے کیونکہ اگر رکھتے تو بھوکے شیر کی طرح زیادہ جوش دکھاتے اور تبلیغی حلقہ کو زیادہ وسیع کرتے مگر فروری میں جنوری سے کمی آ گئی ہے۔ اب یہ رمضان کا آخری عشرہ ہے احباب کو کوشش کر کے اس کمی کو پورا کر دینا چاہئے۔ احمدیت کی صداقت اب اس قدر واضح اور نمایاں ہوچکی ہے اور

اس کی تائید میں اِس قدر نشانات ظاہر ہو چکے ہیں کہ ممکن نہیں کوئی معقول آدمی اس کا انکار کر سکے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اندھا دُھند پیچھے پڑ جائیں اور اگر ہمارے دوست اس طرح کریں تو چند ماہ میں ہی دنیا کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر آدمی جو احمدیت میں داخل ہوتا ہے وہ بمنزلہ ایک اینٹ کے ہے جو اس فصیل میں لگتی ہے جو اسلام کی حفاظت کیلئے خدا تعالیٰ نے بنائی ہے اور یہ فصیل احمدیت ہے۔ ہر احمدی کو کوشش کرنی چاہئے کہ اسے زیادہ سے زیادہ اونچا کرنے کی کوشش کرے تا دشمن کود کر اندر نہ آ سکیں۔

اس آیت میں بہت سے سبق ہیں جن میں سے میں نے چند ایک بیان کئے ہیں اور چونکہ اس سورۃ کے معانی مجھے بذریعہ الہام بتائے گئے ہیں اس لئے اِن پر جتنا بولوں بول سکتا ہوں۔ اب اس کے علاوہ ایک نیا علم مجھے دیا گیا ہے اور وہ ہستی باری تعالیٰ کے متعلق ہے۔ یہ بھی بتا کر اسی طرح بُھلا دیا گیا ہے جس طرح سورۃ فاتحہ کے معارف بتا کر بُھلا دیئے گئے تھے تا جب ضرورت پیش آئے نئے معارف بیان کر سکوں۔ مگر اِس وقت میں نے بعض باتیں بیان کر دی ہیں۔ ان پر غور کرو اور عمل کرو کیونکہ اگر انسان عمل نہ کرے تو دل پر زنگ لگ جاتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہماری جماعت کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر عمل کے نتیجے میں جو وعدے اس نے کئے ہیں وہ ان کے لئے پورے ہوں۔ آمین۔

(الفضل ۲۸۔فروری ۱۹۳۰ء)

ا؎ الفاتحہ: ۷

۲؎ بخاری کتاب الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم